ڈاکٹر رخشندہ مراد*

"تمنا بے تاب" اُسلوبیاتی تناظر میں جائزہ

Abstract: *Dr. Rashid Amjad's autobiography is very important and interesting piece of writing. The most important element of his biography is the true and complete reflection of his life. Dr. Rashid Amjad's life is difficult, complicated, and full of psychological and intellectual controversies. The writer has described these problems truthfully and with intellectual honesty. This autobiography also provides a detailed political scenario after 1947 till present. Apart from this, it throws light about his literary discussions on different discipline e.g Albert Einstein's theory of re relativity, Freud's psychological theories, time and space concept of resurrections etc. Overall this biography is interesting in every sense of its unique literary style and topic.*

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

غالب کے کلام سے اخذ شدہ نام کی حامل اس خود نوشت "تمنا بے تاب" کے خالق ڈاکٹر رشید امجد ہیں۔ یہ سوانح چونکہ ۲۰۰۱ء میں منظر عام پر آئی اس لحاظ سے یہ ۲۱ ویں صدی کی ایک قابل ذکر خود نوشت ہے۔ڈاکٹر رشید امجد عصر حاضر کے نامور افسانہ نگار، نقاد اور محقق ہیں۔ ان کے اب تک شائع ہونے والے تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی کام میں ۱۳ افسانوی مجموعے، ۶ تنقیدی و تحقیقی کتب اور ترتیب وتالیف کی ۹ کتابیں شامل ہیں۔ڈاکٹر رشید امجد مزاجاً افسانہ نگار ہیں اور جس طرح انھوں نے افسانوی ادب میں ایک منفرد حیثیت اور شناخت بنائی ہے، اسی طرح غیر افسانوی ادب میں بھی اپنی خود نوشت "تمنائے تاب" کے ذریعے، ادب کو فنی اور فکری سطح پر ایک نئے اسلوب وآہنگ سے متعارف کیا ہے۔انسان کو مہد سے لحد تک کے سفر کے دوران ہزاروں خواہشات اور آرزوئیں دامن گیر رہتی ہیں۔ڈاکٹر رشید امجد ایسی ہی لاتعداد خواہشاتِ ناتمام کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیتے ہیں مثلاً لکھتے ہیں:

> "یہ ساری یادیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ میری تمنائیں تو خاصی بے لگام ہیں۔لیکن وسائل محدود، غالب نے "تمنا بے تاب" کی ترکیب میرے لیے ہی وضع کی تھی"۔(۱)

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ڈاکٹر رشید امجد کا تعلق کشمیر (سری نگر) سے ہے۔ آپ کا خاندان ۱۹۴۷ء یعنی قیام پاکستان کے وقت راولپنڈی میں آکر آباد ہوا۔ پری چہرہ لوگوں کی سر زمین سے تعلق رکھنے والے اس مصنف کی یادداشتوں میں سری نگر کے گلی کوچے آج بھی ویسے ہی آباد ہیں جیسے وہ ماضی میں کبھی آباد تھے۔ سری نگر میں موجود ان کا آبائی مکان، ان کی جائے پیدائش اور وہاں کے بدلتے موسموں کے مزاج، پوری جزئیات کے ساتھ مصنف کے ذہن میں نقش ہیں۔

انسانی زندگی کی ابتدائی صورت ایک سفید اور بے رنگ کاغذ کی مانند ہوتی ہے تاہم اس زندگی سے وابستہ اور متعلقہ افراد کاغذ کی بے رنگینی کو رنگینی عطا کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی کچھ گہرے اور ہلکے رنگ مل کر انسان کی شخصیت بناتے۔ ڈاکٹر رشید امجد کی زندگی کے کورے کاغذ پر کچھ رنگ بہت گہرے ہیں۔ پہلا رنگ بہت تیز، طاقتور اور نمایاں ہے، جو ان کی والدہ کی تربیت، ان کے مزاج اور ان کے برتاؤ کے اثرات کی وجہ سے ان کی شخصیت کا حصہ بنا ہے۔ یہ اضطراب، بے چینی اور سیماب صفتی کا رنگ ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

> "امی کی محبت نے مجھے قیدی کی طرح زنجیریں پہنائی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی مجھے آنکھوں سے اوجھل کرنا پسند نہیں کرتی تھیں ... وہ جتنی محبت مجھ سے کرتی تھیں اتنا ہی ان کا ملکیتی رویہ بڑھتا جاتا جس کی وجہ سے مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی"۔(۲)

دوسرا رنگ بہت مدھر، دھیما اور گہرا ہے۔ وہ علیا چاچا کی محبتوں اور شفقتوں کا رنگ ہے کیونکہ وہ مصنف کے مزاج آشنا تھے۔ مثلاً مصنف لکھتے ہیں:

> "وہ مجھے اور میرے مزاج کو جس طرح سمجھتے تھے امی بھی نہیں جان سکتی تھیں ...علیا چاچا سے میری وابستگی سے امی کبھی کبھی چڑ جاتی تھیں۔ میرا بس چلتا تو میں ایک لمحہ بھی ان سے جدا نہ ہوتا"۔(۳)

ان دو گہرے رنگوں کی موجودگی کے باوجود مصنف کی شخصیت ابھی نامکمل ہے۔ کوئی واضح تصویر سامنے نہیں آتی۔ تاہم یہاں ایک تیسرا رنگ بھی ہے جو ان دونوں رنگوں کو ایک سمت اور شخصیت کو ایک روپ عطا کرتا ہے۔ یہ رنگ ان کے استاد اور دوست غلام رسول طارق کی تربیت و خلوص کا رنگ ہے جو مصنف کو افسانہ نگار، محقق، نقاد بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اختر رشید کو رشید امجد بناتا ہے۔ اپنی افسانہ نویسی کے آغاز اور غلام رسول طارق کی تربیت کے اعتراف میں ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

> "میرے اس آغاز کا سہرا استاد غلام رسول طارق کے سر ہے۔ وہ خود شاعر تھے کبھی کبھی افسانے بھی لکھتے تھے۔ مشرقی تنقید کا عمدہ ذوق رکھتے، زبان کے معاملے میں ان کی گرفت بڑی سخت تھی۔ میں نے

ان سے جملہ لکھنا سیکھا، افسانے کو سمجھا،میں اپنی ہر کہانی انھیں دکھاتا تھا ... اگر غلام رسول طارق نہ ملتے تو شاید اختر رشید ناز، فلمی پرچوں میں گم ہو کر رہ جاتا۔لیکن رشید امجد نے اپنے سفر کا آغاز بہتر اور پُروقار انداز سے کیا"۔(۴)

ڈاکٹر رشید امجد کی زندگی میں اگرچہ ان شخصیات کے علاوہ بھی بہت سے لوگ شامل ہیں جو بے حد اہم ہیں۔تاہم یہ تین افراد ان کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار نبھاتے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر رشید امجد کی خودنوشت "تمنا بے تاب" کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مصنف نے کس ماحول میں آنکھ کھولی، کن حالات میں پروان چڑھے، حصولِ تعلیم میں رکاوٹوں اور ملازمتوں کا حال، عزیز و اکارب کی ستم ظریفاں اور دوستوں کی کرم فرمائیاں، ادبی زندگی کا آغاز اور سیاست میں دلچسپی غرض یہ کہ ایک مکمل عہد ہے جو صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ خود نوشت مصنف کی ذاتی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے عہد کے ادبی، سیاسی اور سماجی حالات سے متعلق ایک دستاویز بھی ہے۔ ملکی سیاست اور ادبی سیاست سے متعلق ان کے تجزیے قابل مطالعہ ہیں۔ مصنف پاکستانی حکومتوں، خواہ جمہوریت ہو یا مارشل لاء وہ بے لاگ تبصرہ کرتے چلے جاتے ہیں۔مثلاً سیاستدانوں، بیوروکریسی اور فوجی حکمرانوں کی پالیسیوں نے آج ملک کو کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ ملکی سیاست اور حکمران، ادب اور ادیبوں پر کس کس طرح اثر انداز ہوتے رہے اور ادیبوں سے کس طرح اپنا من پسند ادب تخلیق کرواتے رہے ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

"یہ تصنیف ذرا مختلف قسم کی یادداشت ہے جس کے تجزیے سے ملک ہی نہیں شاید براعظم کی ادبی نفسیات پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ آخر ہم نے اپنی تمدنی کمزوریوں کو کیسے کیسے اعلیٰ نام دیے ہیں"۔(۵)

ڈاکٹر رشید امجد بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں اور افسانہ ہی ان کی پہچان ہے۔ان کا افسانوی اسلوب شاعرانہ ہے جو جدید فکشن میں انھیں ایک الگ اور منفرد حیثیت عطا کرتا ہے جبکہ غیر افسانوی نثر میں ان کی خودنوشت "تمنا بے تاب" کا سادہ، سلیس اور بیانیہ انداز انھیں ایک اعلیٰ پائے کا انشا پرداز ہونے کی سند فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ اس خودنوشت میں یادداشتوں کے بیان میں خاصی بے ربطی پائی جاتی ہے، لیکن واقعات کے بیان کا انداز انتہائی دلچسپ ہے۔بقول شمس الرحمن فاروقی:

"آپ نے اپنی خود نوشت میں بیانیہ کا بے حد خوبصورت اور لاجواب طرز اختیار کیا، اس معنی میں کہ آپ کی شخصیت خودنوشت میں راوی کی سی ہے اور راوی بھی ایسا کہ جو تقریباً پوری طرح غیر جانبدار ہے۔ اپنی شخصیت کو ہیرو اور اپنی زندگی کو افسانہ بنا کر پیش نہیں کیا گیا ہے"۔(۶)

ڈاکٹر رشید امجد کے اسلوب کی سب سے نمایاں خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔چونکہ وہ افسانہ نگار ہیں ،اس لیے ماحول کی تمام تر جزئیات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔وہ اپنے معاشرے کی تاریخ، سیاست اور تہذیب و تمدن سے بخوبی آگاہ ہیں۔شہروں، گلی محلوں، سکولوں اور لوگوں سے متعلق جامع تفصیلات تحریر کی ہیں، جس سے ان کے عہد اور ماحول کی واضح تصویر سامنے آتی ہے۔مثلاً سری نگر کشمیر میں اپنے آبائی مکان اور اپنی جائے پیدائش کے بارے میں جس باریک بینی سے انھوں نے لکھا ہے ،اس سے اس شہر کی گلیوں اور گھروں کی جیتی جاگتی تصویر سامنے آ گئی ہے۔لکھتے ہیں:

> "مارچ میں سرینگر کے پھرنوں میں گرماہٹ بکھیرتی کانگڑیاں ٹھنڈی پڑنے لگتی ہیں۔شہر برف کی کینچلی اتار کر نیم گرم سانسیں لیتا ہے۔بادام کے درختوں پر سفید بور آ جاتا ہے اور شہر کا شہر بادام وری کے سفید سفید منظر سے لطف اٹھانے کے لیے طرح طرح کے پکوانوں کے ساتھ باغوں میں اُمڈ آتا ہے"۔(۷)

اپنے بچپن کے ایک تفریحی مقام کا پوری جزئیات کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "کسی کسی اتوار کو سب لوگ ڈل کی طرف نکل پڑتے۔معلوم نہیں، اب ڈل کیسا ہے۔میں اب بھی آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے پانی کا ایک بڑا سا تھال نظر آتا ہے جس میں چیزیں آہستہ آہستہ رقص کر رہی ہیں۔ ڈل قدرت کے صناعی کا ایک عجب تحفہ ہے۔ایک طرف نیم دائرے میں سری نگر ہے اور دوسری طرف بلند پہاڑ نیم دائرہ بنائے پانی کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ڈل میں تیرتے کھیت اور ان پر پھیلا ہوا سبزہ عجب بہار دکھاتا ہے۔ہائوس بوٹ، عام کشتیاں، ڈونگے ڈل کی سطح پر محوِ خرام ہیں ... ڈل کے پانی کے اندر بھی پودے لہراتے دکھائی دیتے ہیں ... باہر سے آنے والوں کے لیے ڈل میں تیرتے کھیت ایک عجوبہ تھے۔یہ کھیت صفوں پر مٹی کی تہیں جماکر بنائے جاتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کھینچ کر بھی لے جاتے ہیں ... دور سے یوں لگتا ہے جیسے چھوٹے چھوٹے ٹاپو ہوں اور ہائوس بوٹ پانی پر تیرتے چھوٹے چھوٹے گھر، جن کی روشنیاں رات کو ڈل کے پانیوں میں منعکس ہو کر سونے کی لہریں بن جاتی ہیں"۔(۸)

درج بالا عبارت میں مصنف نے اپنے مشاہدے کو تشبیہات و استعارات کی مدد سے جاندار بنا دیا ہے اور ڈل کا یہ منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔مصنف نے کشمیر کے ماحول، موسموں اور ان کے مزاج کی

عمدہ منظر کشی کی ہے۔جو ان کی فنی مہارت کا ثبوت ہے۔انھوں نے سلیس اور رواں نثر میں، چھوٹے چھوٹے اور آسان لفظوں کے ذریعے انتہائی لطف اندوز اور دلکش منظر نگاری کی ہے۔انھوں نے کچھ اس خوبی سے لفظی تصویریں بنائی ہیں کہ صاحبِ مطالعہ تھوڑی دیر کے لیے اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو کر مصنف کے ساتھ اسی ماحول اور مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

"تمنا بے تاب" ڈاکٹر رشید امجد کی زندگی کے احساسات و تجربات و مشاہدات کا تحریری بیان ہے۔مصنف کو جن شخصیات اور مشاہیر کی قربت ملی اور مختلف شعبہ ہائے زندگی یعنی سیاست، ادب اور دوستوں کی محفلیں وغیرہ ان تمام کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔انھوں نے انسانی مزاج کا جس طرح سے مشاہدہ کیا اور جس طرح انھیں محسوس کیا، ان کا بیان خاصا دلچسپ 'پرلطف' برجستہ اور واقعاتی و مکالماتی ہے۔مصنف نے ادبی اور غیر ادبی شخصیات کے حوالے سے معلومات فراہم کرنے کے لیے، مکالمات اور واقعات تحریر کیے ہیں۔جس میں متعلقہ فرد کی مکمل شخصیت و ضاحت پاتی ہے اور پھر فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس تحریر سے اس فرد کے بارے میں جو بھی رائے قائم کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے۔مثلاً اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کے لیے مواد کی تلاش میں انھیں پنجاب پبلک لائبریری جانے کا اتفاق ہوا۔وہاں مصنف کو اپنا متعلقہ رسالہ تو مل گیا مگر آگے کیا ہوا اس کا احوال خاصے ڈرامائی انداز میں تحریر کیا ہے۔اس واقعے سے شیما مجید کی ذات کا ایک مخفی پہلو عوام کے سامنے آیا ہے۔لکھتے ہیں:

> "میں نے جلدی جلدی شمارہ نکالا۔فہرست میں مضمون موجود تھا۔جوں ہی میں نے متعلقہ صفحات نکالے تو مجھ پر تو اوس پڑ گئی۔صفحات کٹے ہوئے تھے۔انتہائی مایوسی میں ہم اوپر آئے۔ خاتون ہمارے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر بولی "کیا ہوا؟" میں نے کہا فائل تو مل گئی تھی اور متعلقہ پرچہ بھی موجود ہے لیکن جو مضمون مجھے چاہیے تھا وہ کسی نے وہاں سے کاٹ لیا ہے۔" خاتون کے منہ سے بے ساختہ نکلا "اُلو کی پٹھی" میں نے بھی اسی بے ساختگی سے کہا "شیما مجید" وہ حیران رہ گئی بولی "آپ کو کیسے معلوم"میں نے کہا "مجھے اندازہ تھا۔اس نے ایک آدھ اور بھی یہی کام کیا ہے۔اس پر خاتون نے بتایا کہ شیما مجید اس معاملے میں اتنی بدنام ہو چکی ہے کہ لاہور کی کئی لائبریریوں میں اس کا داخلہ بند ہے"۔(۹)

اسی طرح مصنف اردو ادب کی مشہور اور نامور ادیبہ کشور ناہید کی صلاحیتوں اور قابلیت کو سراہاتے نظر آتے ہیں تاہم یہ واقعہ کشور ناہید کے مزاج کے کئی پہلوئوں پر روشنی ڈالتا اور انھیں سامنے لاتا ہے۔مثلاً لکھتے ہیں:

"کشور نے ہمیں کھانے پر بلایا۔اس زمانے میں وہ اقبال ٹاؤن میں اپنے نئے گھر منتقل ہو چکی تھیں۔ دیگر لوگوں میں انور سجاد، جاوید شاہین اور اکرام اللہ شامل تھے۔ادبِ لطیف کا پہلا شمارہ اسی دن آیا تھا۔یوسف کامران بیمار تھےاور لیٹے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔کشور نے پرچہ حسن عباس رضا کو دیا جو اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔کشور نے کہا "کیوں حسن ... سڑ گئی نا۔" حوالہ یہ تھا کہ حسن کا پرچا خیابان بھی دو چار دن پہلے چھپا تھا۔ایوب مرزا میرے کان میں بولے "اب بتائو، ایسی باتیں سن کر یوسف کامران کا یہ حشر نہ ہو تو کیا ہو"۔(۱۰)

اسی طرح احمد ندیم قاسمی اور ڈاکٹر وزیر آغا کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"قاسمی صاحب سے کئی ملاقاتیں ہوئیں ... لیکن قاسمی صاحب نے اپنی گفتگو سے کبھی متاثر نہیں کیا۔ان کے منہ سے لطیفے ہی اچھے لگتے ہیں علمی بات کم ہی سنی۔اس کے برعکس وزیر آغا سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے لطف آ جاتا ہے۔ہر بار جب ملتے تو میں پوچھتا "آغا صاحب اس دوران آپ نے کیا پڑھا ہے۔" آغا صاحب شروع ہو جاتے اور احساس ہی نہ ہوتا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آغا صاحب جتنا صاحبِ مطالعہ ادیب ہمارے عہد میں کوئی دوسرا نہیں"۔(۱۱)

ڈاکٹر رشید امجد کی تحریر میں سادہ واقعہ نگاری اور قدرتی مکالمے کا میلان واضح ہے۔یہ مکالمے بے ساختہ اور فطری ہیں۔ان میں کہیں بھی مصنوعی پن اور شعوری کاوش نظر نہیں آتی۔مکالموں کی روانی اور برجستگی حقیقت کا پتا دیتی ہے۔وہ حیرت، خوشی اور غم کے احساسات کو الفاظ کے روپ میں ایسے پیش کرتے ہیں کہ وہ کیفیات جو ان لمحات میں مصنف پر طاری ہوئیں، قاری چند ساعتوں کے لیے خود بھی انھیں کیفیات سے دوچار محسوس کرتا ہے۔احمد دائود کی موت کی خبر ایسے بیان کی ہے، جیسے انھوں نے خود وصول کی تھی۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"صبح کو اکثر فون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔لیکن اس دن، معلوم نہیں فون اٹھاتے ہوئے میرے ہاتھ کیوں کانپ رہے تھے۔میں نے کہا "ہیلو"حسن عباس رضا نے رند بھی ہوئی آواز میں کہا"دائود چلا گیا۔"میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ کہاں چلا گیا"۔(۱۲)

ڈاکٹر رشید امجد اپنے اردگرد کے حالات و واقعات پر سرسری نظر نہیں ڈالتے بلکہ ان کی نوعیت کے مطابق تجزیہ کرتے ہیں۔ان کا اندازِ تحریر تجزیاتی اور جرأت مندانہ ہے۔مثلاً پاکستانی سماجی و تہذیبی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ منافقت تو ہماری سماجی و تہذیبی زندگی میں رچی بسی ہے۔ بعض چیزیں نہ چاہتے ہوئے بھی ہم صرف اس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ خارجی دباؤ کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات صرف چند بڑبولے لوگوں کا غلط فیصلہ اکثریت صرف مروت یا جرأت کی کمی کی وجہ سے قبول کر لیتی ہے"۔(۱۳)

ڈاکٹر رشید امجد سیاست میں خاطر خواہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی سیاسی بصیرت قابلِ تحسین ہے۔ اسی ضمن میں پاکستانی سیاسی قیادت کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

"قائد اعظم کے بعد خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل بنے۔ وہ طبعاً شریف اور ڈھیلے آدمی تھے۔ اس لیے اختیار کی مرکزیت لیاقت علی خان کے ہاتھ میں آ گئی۔ لیاقت علی خان نے نئے سیاسی نظام کی جو اخلاقیات مرتب کیں وہ ہمیشہ کے لیے ہمارا مقدر بن گئیں۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مہاجر مقامی کا جھگڑا کھڑا کیا اور یوں علاقائی عصبیت کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب میں نواب ممدوٹ کی وزارت کو برطرف کر کے سیاسی شطرنج کی سمت متعین کر دی۔ لیاقت علی خان ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسلم لیگ میں وزیر اعظم اور صدر کے عہدے کو ایک کر کے وزارتِ عظمیٰ کے ساتھ مسلم لیگ پر ذاتی گرفت مضبوط کر لی"۔(۱۴)

اس خود نوشت میں زبان و بیان کے مختلف رنگ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کہیں ان کا اندازِ تحریر بیانیہ ہے زبان سادہ اور رواں ہے۔ منظر کشی کرتے ہوئے زبان کے حسن کا اپنا ہی رنگ ہے۔ کسی بات کی اطلاع پہنچاتے ہوئے، احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے انھوں نے اپنے مخصوص فطری انداز کو ملحوظ رکھا ہے۔ ملکی سیاست پر بحث ہو یا ادبی مباحث ان کا یہ تفصیلی اور بیانیہ انداز قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے بلکہ اس سے مصنف کے اندرونی جذبات و احساسات اور اس کی مکمل شخصیت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم خودنوشت میں جہاں جہاں مصنف نے فلسفیانہ بحثیں چھڑیں ہیں وہ یقینا عام قاری کی ذہنی سطح سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس سلسلے میں مصنف خود وضاحت کر دیتے ہیں کہ "میں عام شخص کے لیے نہیں لکھتا۔ میرا قاری مجھے خود تلاش کرتا ہے۔ میری لذتوں میں وہی شریک ہو سکتا ہے جو میرے تجربے کی اسراریت کو محسوس کر سکتا ہے۔"(۱۵) ڈاکٹر رشید امجد کی فلسفیانہ تحریر کا یہ نمونہ ملاحظہ ہو:

"وقت ایک سیل تند ہے جو ہمیں تنکوں کی طرح بہائے لیے جا رہا ہے اور پھر آخر آخر فنا کے سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ وہ ہر احساس سے عاری ہے ایک ایسا تند خو شخص جس کی نہ آنکھیں ہیں نہ کان۔

اس کے ہاتھ میں ایک تیز کلہاڑا ہے جس سے وہ ہر شے کو توڑ پھوڑ رہا ہے۔اس کا کام ہر شے کو برباد کر کے فنا کرنا ہے ہم اس کی گود میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی کے ہاتھوں ختم ہو جاتے ہیں۔وقت کا یہ جبر کیا ہے؟ مکاں بھی ایک مستقل قید ہے، کیا ان دونوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت ہے؟" (۱۶)

ڈاکٹر رشید امجد کے افسانوی مزاج کا عکس ان کی تحریر کا حصہ ہے۔جو ان کی خود نوشت میں چپکے سے در آیا ہے۔ اگرچہ ان کی خودنوشت کا مجموعی اسلوب خاصا دلچسپ ہے اور تحریر کے مروجہ پیمانے پر پورا اترتا ہے۔ تاہم ان کی سوچ اور تحریر کے بکھرائو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ تحریر کا یہی بکھرائو ڈاکٹر رشید امجد کے اسلوب کی پہچان ہے۔ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

آپ کے تاثرات کئی حیثیتوں سے میرے لیے اہم اور لائق توجہ ہیں۔اول، اس لیے کہ آپ نے ہند کے ایسے علاقے سے ہجرت کی تھی، اور مختلف وجوہ سے ہجرت کی تھی، جہاں کے لوگ مہاجر نہیں ہوئے تھے۔ دوسرے، آپ گنے چنے ایسے فن کاروں میں سے ہیں جو اپنی تحریروں کے بکھرائو کے باوجود مجھے پسند ہیں اور جن کی فطری تخلیقی صلاحیت کا میں معترف رہا ہوں۔ تیسرے، رواں اور بلا جھجک اندازِ تحریر نے متاثر کیا۔(۱۷)

"تمنا بے تاب" یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔جس میں زمانی و مکانی تسلسل نہیں ہے۔ابتدائی سوانحی حالات کے علاوہ کسی بھی اہم بات کو، اہم واقعات کو اور اہم شخصیات کے ذکر کو کسی خاص ترتیب کے بغیر تحریر کر دیا گیا ہے۔بقول مصنف "اس کتاب کے لیے کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی۔جیسے جیسے یاد آیا لکھ لیا۔"۱۸ ایسی صورتحال میں انسانی حافظے سے کہیں نہ کہیں بھول چوک بھی ہو سکتی ہے اور ڈاکٹر رشید امجد سے بھی واقعات کے بیان میں ایسا ہوا ہے کیونکہ مصنف نے "اہلِ قلم کانفرنس" کے سلسلے میں حیدر قریشی اور اپنے بارے میں جو واقعہ تحریر کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔حیدر قریشی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

رشید امجد نے چونکہ اپنی یادوں کو آزادانہ طورپر بیان کیا ہے اس لیے کہیں کہیں بلا ارادہ ان سے واقعات کے بیان میں سہو بھی سرزد ہوئے ہیں۔مثلاً اسلام آباد کی جس اہلِ قلم کانفرنس میں جنرل ضیاء الحق نے نام لیے بغیر بعض ادیبوں کے خلاف تقریر کی تھی۔اس کے احوال میں انھوں نے کچھ ایسا لکھا ہے کہ اس کانفرنس کے بعد ہم دونوں (رشید امجد اور میں) بدمزگی کے ساتھ پنڈی واپس آ رہے تھے ... وغیرہ اس حوالے سے وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ کانفرنس میں مدعو کیے جانے کے باوجود میں

نے شرکت نہیں کی تھی۔اس لیے وہاں سے واپسی پر ہم دونوں کے بہائی سینٹر جانے کی بات درست نہیں۔البتہ ایک اور موقعہ پر بعینہٖ وہ ساری باتیں ہوئی تھیں جو رشید امجد نے لکھی ہیں۔بس اپنے زمانی اعتبار سے دو الگ الگ قصے گڈمڈ ہو گئے ہیں تاہم ان سے مذکورہ واقعات کی روح اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ایک عرصہ کے بعد لکھتے ہوئے کبھی کبھی ایسا سہو یا زبانی مغالطہ ہو جاتا ہے۔(۱۹)

ڈاکٹر رشید امجد کی کتاب کی زبان سے بے تکلفی اور سادگی جھلکتی ہے۔تاہم جہاں جہاں علمی و ادبی مباحث یا فلسفیانہ گفتگو ہوئی ہے، وہاں لہجہ علمی اور زبان ادبی نوعیت کی حامل ہے۔الفاظ کا انتخاب بھی نپا تلا ہے۔چھوٹے چھوٹے اور سادہ جملے تحریر کی روانی میں مددگار بنے ہیں۔ڈاکٹر رشید امجد کی تحریر میں قابلِ توجہ امر، انگریزی الفاظ کا استعمال ہے۔ انھوں نے سوانحی حالات کے بیان اور ملکی سیاست پر بحث کرتے ہوئے متعدد انگریزی الفاظ استعمال کیاہے۔اگرچہ ان کا استعمال عبارت کی روانی اور تسلسل میں حائل نہیں ہوتا لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان تمام الفاظ کے متبادل اردو زبان میں موجود ہیں اس لیے انگریزی الفاظ کا جابجا استعمال غیر ضروری محسوس ہوتا ہے۔اگرچہ ان الفاظ کی فہرست خاصی طویل ہے تاہم ان میں چند درج ذیل ہیں:

۔ ورکنگ ریلیشن شپ	۔ موڈ
۔ ٹینشن	۔ ورکرز
۔ ٹرانسفر	۔ پرایس
۔ نوٹیفکیشن	۔ کنٹرول
۔ ٹریننگ	۔ ریسرچ
۔ اکانومی	۔ ڈسپلن
۔ سپورٹ	۔ آئیڈیل
۔ آئیڈیاز	۔ فنڈز
۔ جینوین	۔ پالیسی
۔ سنیارٹی	۔ اپ ٹو ڈیٹ
۔ کرپشن	۔ انجوئے

جہاں مصنف کی زبان بے تکلف اور برجستہ ہے وہاں پنجابی الفاظ اور اشعار کے مصرعے بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر رشید امجد براہ راست قاری سے بات چیت کر رہے ہیں۔مثلاً:

i- وہی ریں ریں، پو تھی میں سے نکالی ہوئی باتیں

ii- بسنت کا ہوکا نہ تھا

iii- دیر تک لیپا پوتی کرتے رہے۔

iv- عشق نہ پوچھے عمراں

v- عشق دا نہ بھول خلاصہ چھڑی لتھ جائو گی۔

ڈاکٹر رشید امجد کی کتاب میں فارسی الفاظ و تراکیب، محاورات اور ضرب المثال تحریر کی خوبصورتی اور زبان کے حسن کو دو چند کر دیتے ہیں۔مثلاً:

آنکھیں خیرہ کرنا، ہما شا، دھری کی دھری رہ جانا

تحریر کی تمام تر خوبصورتی اور سلیقے کے باوجود کہیں کہیں ایسے جملے بھی تحریر کا حصہ بنے ہیں جو اجنبیت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ان میں کچھ قواعد کی غلطیاں ہیں اور کچھ ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اردو میں مستعمل نہیں ہیں۔مثلاً:

i- بعد میں کئیوں نے کہا بھی ...

ii- میرے حواس بجا نہیں ہوئے...

iii- چراغوں کی لوئوں سے اٹھتے دھوئیں...

iv- اکثر اتواریں میں اس کے گھر گزارتا

اس کے علاوہ خود نوشت میں اکثر شعرا مثلاً غالبؔ، احسان دانش، حفیظ جالندھری، ناصر کاظمی اور پروین شاکر وغیرہ کے اشعار بھی تحریر کیے ہیں جو نہ صرف تحریر کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ مصنف کی شاعری سے خصوصی دلچسپی کا مظہر بھی ہیں۔پروفیسر یٰسین آفاقی لکھتے ہیں:

> "تمنا بے تاب" میں رشید امجد نے اپنے ذاتی پیکر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی بھی ایک تصویر تشکیل دی ہے۔اس میں جہاں مصنف کی ذات Involve ہوئی ہے، وہاں اسلوب ان کے افسانوی اسلوب سے ملتا جلتا ہے۔تاہم اس میں جو مختلف مقامات پر مختلف اسلوب ملتا ہے وہ ان کے احساس، جذبہ اور خیال کا تقاضا ہے۔کیونکہ خیال اپنی فارم ساتھ لے کر آتا ہے اور فارم اور اسلوب کا آپس میں گہرا رشتہ ہے"۔(۲۰)

مجموعی طور پر ڈاکٹر رشید امجد کی خودنوشت انتہائی دلچسپ اور اہم دستاویز ہے۔اس خودنوشت کی اہم خوبی یہ ہے کہ یہ مصنف کی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتی نظر آتی ہے۔ان کی زندگی کی کئی جہتیں ہیں، پیچیدگیاں ہیں، نفسیاتی اور ذہنی الجھنیں ہیں۔مصنف نے انھیں پوری سچائی اور عمدگی سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مصنف کے عہد کے سیاسی حالات ۱۹۴۷ء کی تحریکِ آزادی، ۱۹۵۸ء کا مارشل لائ، ۶۵ء کی جنگ، ۱۹۶۸ء کی عوامی تحریک، ۱۹۷۱ء کی جنگ، باقی کے تین مارشل لاء اور جمہوری حکومتوں پر سیر حاصل بحث اور تجزیاتی گفتگو شامل ہے۔اس کے علاوہ ادبی بحثوں میں ۲۰ویں صدی کے نئے علوم، آئن سٹائن کا نظریہ اضافت، فرائڈ کا نفسیاتی نقطۂ نظر، مارکس کا معاشی نقطۂ نظر، مزاحمتی ادب، تصورِ زماں و مکاں، تصورِ فنا و بقا وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔اس کتاب میں ڈاکٹر رشید امجد کے عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی حالات و میلانات بالکل روشن ہو گئے ہیں۔ڈاکٹر رشید امجد کا اسلوب سادہ، سلیس، بیانیہ انداز، واقعہ نگاری، نفسیاتی حقیقت آرائی، تجزیاتی و فلسفیانہ انداز، محاورات و ضرب الامثال کا استعمال، پنجابی اور انگریزی الفاظ کا استعمال سنجیدگی اور لطافت کا امتزاج لیے ہوئے ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ رشید امجد، ڈاکٹر، تمنا بے تاب، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ئ، ص۲۳۲

۲۔ ایضاً، ص۲۵ ۳۔ ایضاً، ص۱۳ ۴۔ ایضاً، ص۴۱

۵۔ محمد حسن، ڈاکٹر، تخلیقی ادب، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ص۳۸۱،۳۸۲

۶۔ شمس الرحمن فاروقی، فلیپ کور، "تمنا بے تاب"

۷۔ رشید امجد، ڈاکٹر، تمنا بے تاب، ص۱۵

۸۔ ایضاً، ص۱۵ ۹۔ ایضاً، ص۲۵۲ ۱۰۔ ایضاً، ص۱۰۷

۱۱۔ ایضاً، ص۱۱۸ ۱۲۔ ایضاً، ص۹۶ ۱۳۔ ایضاً، ص۷۷ ۱۴۔ ایضاً، ص۲۵

۱۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، تمنا بے تاب، ص۲۳۷

۱۶۔ ایضاً، ص۲۵۲

۱۷۔ محمد حسن، ڈاکٹر، تمنا بے تاب، فلیپ کور

۱۸۔ رشید امجد، ڈاکٹر، تمنا بے تاب، ص۵

۱۹۔ حیدر قریشی، حاصل مطالعہ "تنقیدی و تاثراتی مضامین"، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۸ئ، ص۱۹۱

۲۰۔ یٰسین آفاقی، پروفیسر، تمنا بے تاب۔ایک مطالعہ، مشمولہ "رشید امجد۔ایک مطالعہ"، ترتیب و تعارف، ڈاکٹر شفیق انجم، نقش گر پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص۱۷۴

☆☆☆☆☆